سورۃ العلق

اٰیاتھا ۱۹ ۔ ۹۶ سورۃ العلق مکیۃ ۱ ۔ رکوعھا ۱

یہ سورت مکی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول کے مطابق قرآن حکیم کی سورتوں میں سے سب سے پہلے نازل ہوئی۔ اس کی انیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝۱

''آپ پڑھیے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا فرمایا''۔

اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے: سب سے پہلے یہی سورت نازل ہوئی جبریل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے جب کہ آپ غار حرا پر قیام فرماتے تھے انہوں نے اس سورت کی پانچ آیات کی تعلیم دی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سب سے پہلے سورۃ المدثر نازل ہوئی؛ یہ حضرت جابر بن عبداللہ کا قول ہے۔ اس کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سب سے پہلے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی، یہ ابو میسرہ ہمدانی کا قول ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ (الانعام: 151) فرما دیجئے: آؤ میں تم پر تلاوت کروں جو تم پر تمہارے رب نے حرام کیا ہے(1)۔ صحیح پہلا قول ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آغاز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچی خوابیں آتیں پھر ایک فرشتہ آیا اس نے کہا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۲۔

حضرت عائشہ صدیقہ سے صحیحین میں یہ روایت منقول ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے آغاز میں حالت نیند میں آپ پر سچے خواب آتے آپ خواب نہ دیکھتے مگر وہ اس طرح واضح ہوتے جیسے صبح ہوتی ہے پھر آپ کو خلوت محبوب ہونے لگی تو آپ غار حرا میں خلوت گزین ہونے لگے آپ گھر لوٹنے سے پہلے کئی دن عبادت کرتے رہتے تھے اور ان کے لیے زاد راہ بھی لے جایا کرتے تھے پھر آپ خدیجۃ الکبریٰ کی طرف لوٹتے تو اس کی مثل زاد راہ لے جاتے یہاں تک کہ حق ان پر اچانک عیاں ہوا جب کہ آپ غار حرا میں تھے ایک فرشتہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے کہا: اِقْرَاْ (پڑھو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ما انا بقاری (میں پڑھنے والا نہیں) فرمایا: ''اس فرشتے نے مجھے پکڑا اور مجھے بھینچا یہاں تک کہ مجھے مشقت ہوئی پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اس نے کہا: اِقْرَاْ میں نے کہا: ما انا بقاری اس نے مجھے پکڑا اور مجھے بھینچا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہوئی پھر مجھے چھوڑ دیا پھر کہا: اِقْرَاْ میں نے کہا: ما انا بقاری اس نے مجھے پکڑا اور تیسری دفعہ مجھے بھینچا یہاں تک کہ مجھے

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1942

تکلیف پہنچی پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا پھر اس فرشتے نے کہا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۞ مکمل حدیث ذکر کی (1)۔

ابو رجاء عطاردی نے کہا: حضرت ابو موسیٰ اشعری ہماری اس مسجد (مسجد نمرہ) میں ہمارے پاس تشریف لاتے ہمیں حلقہ میں بٹھاتے اور ہمیں قرآن پڑھاتے گویا میں انہیں دو سفید کپڑوں میں دیکھ رہا ہوں۔ ان سے ہی میں نے یہ سورت لی ہے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۞ یہ وہ پہلی سورت ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یہ وہ پہلی سورت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی اس کے بعد نٓ وَالْقَلَمِ اس کے بعد يٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۞ اور اس کے بعد وَالضُّحٰى ۞ نازل ہوئی؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا۔

زہری سے مروی ہے کہ پہلی سورت اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ سے مَا لَمْ يَعْلَمْ ۞ تک نازل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہوئے آپ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ جاتے حضرت جبریل امین ان کے پاس آتے تو آپ سے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ کی طرف واپس لوٹے اور کہا: دثّروني وصبوا عليّ ماء باردًا مجھے چادر اوڑھا دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی انڈیلو۔ تو یہ آیت نازل ہوئی يٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۞ ۔(2)

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ کا معنی ہے قرآن حکیم میں سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے اپنے رب کے نام سے شروع کرتے ہوئے پڑھیے وہ یہ کہ ہر سورت کے آغاز میں بسم اللہ شریف پڑھیے بِاسْمِ رَبِّكَ میں باء کا محل حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: باء، علی کے معنی میں ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی اقرأ علی أسم ربك یوں جملہ بولا جاتا ہے: فعل کذا باسم الله، فعل کذا علی إسم الله۔ اس نے اللہ کے نام سے شروع کرتے ہوئے یہ کام کیا۔ اس تعبیر کی صورت میں مقصود محذوف ہے یعنی قرآن پڑھو اور اللہ کے نام سے شروع کرو۔ ایک قوم کا کہنا ہے: اسم ربك سے مراد قرآن ہے پس وہ کہتا ہے: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ مراد ہے اقرا اسم ربك باء زائدہ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ (المومنون: 20) یہاں بھی باء زائدہ ہے جس طرح شاعر نے کہا:

سُودُ الْمحاجِرِ لا یَقْرَأنَ بِالسُّوَرِ

یہاں بھی شاعر نے لا یقرأن السور مراد لیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ کا معنی ہے اس کے نام کا ذکر کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ قراءت کا آغاز اللہ تعالیٰ کے ذکر سے کریں۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ

''پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے''۔

الْاِنْسَانَ سے مراد ابن آدم ہے عَلَقٍ سے مراد خون ہے یہ علقة کی جمع ہے علقه سے مراد جامد خون ہے جب وہ چلے تو اسے مسفوح کہتے ہیں یہاں عَلَقٍ فرمایا اور جمع کا صیغہ ذکر کیا کیونکہ الْاِنْسَانَ سے مراد بھی جمع ہے سب کے سب نطفہ کے بعد

1۔ مسند امام احمد حدیث نمبر 25959 2۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 180

عَلَق سے پیدا کیے گئے العلقہ تر خون کا ایک حصہ ہے۔ اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ یہ اپنی رطوبت کی وجہ سے ہر اس چیز کے ساتھ چمٹ جاتا ہے جو اس پر گزرتی ہے جب وہ خشک ہو جائے تو وہ علقہ نہیں ہوتا۔ شاعر نے کہا:

ترکناہ یخر علی یدیہ یمج علیھما عَلَق الوتین

ہم نے اسے یوں چھوڑا وہ اس کے سامنے منہ کے بل گرتا ہے شہ رگ اس پر خون کی کلی کرتی ہے۔

انسان کا خصوصاً ذکر کیا مقصود اس کی عظمت بیان کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ ارادہ کیا کہ اس پر جو احسان کیا ہے اس کی قدر و منزلت کو بیان کرے اس طرح کہ اسے حقیر جمے ہوئے خون سے پیدا کیا یہاں تک کہ وہ مکمل انسان، عقل مند اور امتیاز کرنے والا ہو گیا۔

اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ

''پڑھیے آپ کا رب بڑا کریم ہے''۔

اِقْرَاْ یہ تاکید کے لیے ہے کلام مکمل ہوئی پھر نئے سرے سے کلام کو شروع کیا اور فرمایا: وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ یہاں الْاَكْرَمُ کریم کے معنی میں ہے۔ کلبی نے کہا: معنی ہے بندوں کے جاہلانہ طرز عمل پر حلم کرتا ہے انہیں جلدی سزا نہیں دیتا۔ پہلا معنی معنوی طور پر زیادہ مناسب ہے کیونکہ جب جو نعمتیں پہلے ہوئیں ان کا ذکر کیا تو ان کے وسیلہ سے اپنے کرم پر دلالت کی۔ ایک قول یہ کیا گیا: اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ کا معنی ہے اے محمد! پڑھیے جب کہ آپ کا رب تیری مدد کرے گا اور تجھے سمجھا دے گا اگرچہ آپ پڑھے ہوئے نہیں اور الْاَكْرَمُ کا معنی ہے وہ بندوں کی جہالتوں سے درگزر فرمانے والا ہے۔

الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ

''جس نے علم سکھایا قلم کے واسطہ سے''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

قلم علم اور دین کو محفوظ رکھنے اور منتقل کرنے کا ذریعہ

مسئلہ نمبر 1۔ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ خط و کتابت کی تعلیم دی یعنی انسان کو قلم کے ساتھ خط کی تعلیم دی۔ سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے: قلم اللہ تعالیٰ کی جانب سے عظیم نعمت ہے اگر یہ نہ ہوتا تو دین قائم نہ ہوتا اور زندگی درست نہ ہوتی (1) یہ اللہ تعالیٰ کے کمال کرم پر دال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس چیز کی تعلیم دی جسے وہ نہیں جانتا تھا اور انہیں جہالت کی ظلمت سے علم کے نور کی طرف نکالا اور علم کتابت کی فضیلت پر آگاہ کیا کیونکہ اس میں ایسے عظیم منافع ہیں جس کا احاطہ اس ذات کے سوا کوئی نہیں کر سکتا نہ علوم مدون ہوئے، نہ حکمتیں مقید ہوئیں، نہ پہلے لوگوں کی خبریں اور مقالات ضبط ہوئے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابیں محفوظ ہوئیں مگر کتابت کے ذریعے ہی یہ سب کچھ ہوا۔ اگر یہ ایسا نہ ہوتا تو دین و دنیا کے امور

1۔ تفسیر طبری، جلد 24، صفحہ 527

درست نہ ہوتے۔ اسے قلم اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اسے کاٹا جاتا ہے اس معنی میں تقلیم الظفر ہے جس کا معنی ناخن کاٹنا ہے۔
ایک شاعر نے قلم کی تعریف کرتے ہوئے کہا:

فکأنہ والحِبْرُ یخضِبُ رأسَهٗ شیخٌ لوصل خَرِیدۃٍ یتصَنَّعُ

لِمَ لا أُلاحظہ بعین جَلالۃ وبہ إلی اللہ الصحائفُ ترفعُ

گویا وہ قلم جب کہ روشنائی اس کے سر کو رنگین کرتی ہے ایک بوڑھا شخص ہے جو دوشیزہ کو پانے کے لیے تصنع کرتا ہے میں اس قلم کو شرف کی آنکھ سے کیوں نہ دیکھوں، جب کہ اس کے ذریعے صحائف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بلند کیے جاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم جو بات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنوں کیا میں اسے لکھ لیا کروں؟ فرمایا: ''ہاں لکھو بے شک اللہ تعالیٰ نے قلم کے ذریعے تعلیم دی''۔ مجاہد نے ابوعمر سے یہ روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چار چیزیں اپنے دست قدرت سے پیدا کیں پھر باقی تمام چیزوں کے لیے فرمایا: کن ہو جا تو وہ ہر چیز ہوگئی (۱) قلم (۲) عرش (۳) جنت عدن (۴) اور حضرت آدم علیہ السلام۔

جس کو قلم کے ساتھ تعلیم دی اس کے بارے میں تین قول ہیں: (۱) حضرت آدم علیہ السلام کیونکہ وہ سب سے پہلے فرد ہیں جس نے لکھا؛ یہ کعب اور الاحبار کا قول ہے۔

(۲) وہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں یہ سب سے پہلے کاتب ہیں؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔

(۳) جس نے بھی قلم کے ساتھ لکھا وہ اس میں داخل ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے ہی یہ فن جانا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کی تخلیق کر کے جو نعمت کی اور اس کو تعلیم دے کر جو نعمت کی سب کو جمع کر دیا تاکہ اس پر اپنی نعمت کو مکمل کرے۔

قلم نے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو لکھا

مسئلہ نمبر 2۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ثابت ہے: جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب میں لکھا جب وہ کتاب عرش کے اوپر اس کے پاس تھی: میری رحمت میرے غضب پر غالب ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اسے فرمایا: لکھو تو قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا اس نے لکھ دیا(1) جب کہ وہ عرش کے اوپر ذکر میں اس کے پاس تھا''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح میں حدیث مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جب نطفہ پر بیالیس دن گزر جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے وہ اس کی تصویر بناتا ہے، اس کے کان، آنکھ، جلد، گوشت اور ہڈیاں بناتا ہے پھر وہ عرض کرتا ہے: اے میرے رب! کیا یہ مذکر ہے یا مونث؟ تو تیرا رب جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے اور فرشتہ لکھ لیتا ہے پھر فرشتہ عرض کرتا ہے: اے میرے رب! اس کی اجل؟ تو تیرا رب جو چاہتا ہے فرماتا ہے، فرشتہ وہ لکھ لیتا ہے، پھر فرشتہ عرض کرتا ہے: اس کا رزق؟ تیرا رب جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے اور فرشتہ لکھ لیتا ہے، پھر فرشتہ اپنے ہاتھ میں صحیفہ لے کر نکل جاتا ہے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب فی القدر، حدیث نمبر 4078، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اسے جو حکم دیا گیا ہوتا ہے اس میں نہ اضافہ کرتا ہے اور نہ کمی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ۙ﴿۱۰﴾ كِرَامًا كَاتِبِیْنَ ۙ﴿۱۱﴾ (الانفطار)''۔

ہمارے علماء نے فرمایا اصل میں تین قلم ہیں:۔

(۱) قلم اول، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور اسے لکھنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

(۲) فرشتوں کی قلمیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں میں دے دیں جن کے ساتھ وہ تصادیر، کوائن اور اعمال لکھتے ہیں۔

(۳) لوگوں کی قلمیں، اللہ تعالیٰ نے یہ لوگوں کے ہاتھوں میں دے دیں جن کے ساتھ وہ اپنی کلام لکھتے ہیں اور ان کے ذریعے اپنے مقاصد حاصل کرتے ہیں کتابت میں بہت زیادہ فضائل ہیں کتابت، بیان کا حصہ ہے بیان ان چیزوں میں سے ہے جس کے ساتھ آدمی کو خاص کیا گیا ہے۔

عربوں کا سب سے کم لکھنا اور بالخصوص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ لکھنے، پڑھنے میں حکمت

مسئلہ نمبر 3۔ ہمارے علماء نے کہا: عرب لوگوں میں سے سب سے کم لکھنا جانتے تھے عربوں میں سے سب سے کم اس کی پہچان رکھنے والے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے اس لیے دور کر دیا گیا تھا تا کہ یہ امر آپ کے معجزہ کو سب سے زیادہ ثابت کرنے والا اور آپ کی حجت میں سب سے قوی ہو(1)۔ سورۂ عنکبوت میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

حماد بن سلمہ، زبیر بن عبد السلام سے انہوں نے ایوب بن عبداللہ فہری سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اپنی عورتوں کو بالا خانوں میں نہ رکھو اور نہ ہی انہیں لکھنا سکھاؤ''۔

ہمارے علماء نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز سے لوگوں کو خبردار کیا کیونکہ جب بالا خانوں میں رکھا جائے گا تو وہ مردوں کی طرف جھانکیں گی نہ اس میں ان کے لیے پاکدامنی رہے گی اور نہ ہی پردہ ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے وہ اپنے آپ پر قابو نہیں رکھتیں یہاں تک وہ مردوں کی طرف جھانکتی ہیں تو فتنہ و آزمائش جنم لیتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خبردار کیا کہ وہ ان کے لیے بالا خانے نہ بنائیں جو ان کے فتنہ کا ذریعہ ہیں۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عورتوں کے لیے اس سے بہتر کوئی چیز نہیں کہ مرد انہیں نہ دیکھیں'' اور وہ مردوں کو نہ دیکھیں اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت مرد سے پیدا کی گئی ہے تو اس کا اشتیاق مرد میں ہے مرد میں شہوت پیدا کی گئی ہے اور عورت کو اس کے لیے سکون بنا دیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کے بارے میں امن میں نہیں، اسی طرح لکھنے کی تعلیم ہے بعض اوقات یہ فتنہ کا سبب ہوتا ہے اس کی صورت یہ ہے جب اسے لکھنے کی تعلیم دی جاتی ہے تو وہ اسے خط لکھتی ہے جس سے وہ محبت کرتی ہے کتابت بھی آنکھوں میں سے ایک آنکھ ہے اس کے ذریعے حاضر، غائب کو دیکھتا ہے خط ہاتھ کے آثار میں سے ہے۔ اس لکھائی میں مافی الضمیر کی تعبیر ہوتی ہے جب کہ زبان کے ساتھ نہیں بولا جاتا۔ یہ زبان سے بھی زیادہ بلیغ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پسند کیا کہ ان سے فتنہ کے اسباب منقطع ہو جائیں تا کہ ان کی عصمت باقی رہے اور ان کے دل پاک رہیں۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1944

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴿٥﴾

''اسی نے سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا''۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی ذات ہے اسے ہر شئی کے ناموں کا علم سکھایا جس طرح قرآن حکیم میں آیا ہے وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرہ:31) اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اسماء کا علم سکھایا۔ کوئی چیز باقی نہ بچی مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ہر لغت میں اس کا نام سکھا دیا حضرت آدم علیہ السلام نے وہ نام فرشتوں کو بتا دیئے جس طرح آپ کو بتائے گئے تھے۔ اس طرح ان کی فضیلت ظاہر ہوگئی، ان کی قدر واضح ہوگئی اور ان کی نبوت ثابت ہوئی، ملائکہ پر اللہ تعالیٰ کی حجت اور حضرت آدم علیہ السلام کا غلبہ قائم ہو گیا فرشتوں نے حکم کی اطاعت کی کیونکہ انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے شرف کو دیکھ لیا تھا، اللہ تعالیٰ کی قدرت کی جلالت کا نظارہ کر لیا تھا اور عظیم امر کو سن لیا تھا پھر یہی چیز ان کی اولاد میں اگلوں سے پچھلوں میں اور ایک قوم سے دوسری قوم میں منتقل ہوتی رہی۔ یہ بحث سورۃ البقرہ میں مکمل گزر چکی ہے۔ الحمدللہ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں الْاِنْسَانَ سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (النساء:113) آپ کو وہ کچھ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے۔ اس تعبیر کی بنا پر علمك سے مراد آنے والے وقت کا علم ہے کیونکہ یہ تو ان آیات میں سے ہے جو ابتدائی دور میں نازل ہوئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ انسان عام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا (النحل:78) اللہ نے ہی تمہیں تمہاری ماں کے پیٹوں سے نکالا جب کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ﴿٦﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ﴿٧﴾

''ہاں ہاں بے شک انسان سرکشی کرنے لگتا ہے اس بناء پر کہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے''۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں سے لے کر سورت کے آخر تک آیات ابوجہل کے حق میں نازل ہوئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: تمام سورت ابوجہل کے حق میں نازل ہوئی جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے منع کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ مسجد میں نماز پڑھیں اور یہ سورت پڑھی۔ اس تاویل کی بنا پر یہ سورت ان سورتوں میں سے نہ ہوئی جو ابتدا میں نازل ہوئیں۔ یہ بھی جائز ہے اس کی پہلی پانچ آیات سب سے پہلے نازل ہوئی ہوں پھر باقی آیات ابوجہل کے حق میں نازل ہوئی ہوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہو کہ انہیں سورت کے پہلے حصہ کے ساتھ ملا لیں، کیونکہ سورتوں کی ترکیب و تالیف اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوئی کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ (البقرہ:281) اس دن سے بچو جس میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جائے گا، آخر میں نازل ہوا، پھر اسے ان آیات کے ساتھ ملا دیا گیا جو طویل عرصہ پہلے نازل ہو چکی تھیں۔

یہاں كَلَّآ، حقا کے معنی میں ہے کیونکہ اس سے قبل کوئی چیز نہیں۔ یہاں الْاِنْسَانَ سے مراد ابوجہل ہے۔ طغیان سے مراد

نافرمانی میں حد سے آگے بڑھنا ہے اَنْ رَّاٰهُ کی تقدیر کلام یہ ہے لان رای نفسه استغنی یعنی وہ صاحب مال اور صاحب ثروت ہوگیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: جو قول ابو صالح نے ان سے نقل کیا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی اور مشرکوں نے اسے سنا تو ابو جہل نے آپ سلی تیلم کے پاس آیا تو اس نے کہا: اے محمد! تو گمان کرتا ہے جو آدمی غنی ہو جاتا ہے وہ سرکش ہو جاتا ہے تو ہمارے لیے مکہ کے پہاڑ سونا بنا اور ممکن ہے ہم اسے لیں پھر ہم سرکش ہو جائیں، ہم اپنے دین کو چھوڑ دیں اور آپ کے دین کی پیروی کریں۔ حضرت جبریل امین نبی کریم سلی تیلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی: اے محمد! سلی تیلم اس معاملہ میں انہیں اختیار دیں اگر وہ چاہیں تو ہم ان کے ساتھ وہ معاملہ کریں گے جو وہ چاہتے ہیں اگر انہوں نے اطاعت اختیار نہ کی تو ہم ان کے ساتھ وہ معاملہ کریں گے جو ہم نے مائدہ والوں کے ساتھ کیا تھا تو رسول اللہ سلی تیلم کو علم ہو گیا کہ وہ قبول نہ کریں گے تو آپ سلی تیلم ان سے رک گئے تا کہ معاملہ ان پر باقی رہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے قبیلہ، انصار و اعوان کی وجہ سے اپنے آپ کو مستغنی خیال کرتا ہے تو اَنْ رَّاٰهُ میں لام محذوف ہو گیا جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: انكم لتطغون ان رأيتم غناكم تم سرکشی کرتے ہو کیونکہ تم اپنے آپ کو غنی خیال کرتے ہو۔ فراء نے کہا: یہاں رأى نفسه نہیں کہا جس طرح قتل نفسه کہا کیونکہ رأى ان افعال میں سے ہے جو اسم و خبر کا ارادہ رکھتے ہے جس طرح ظن اور حسبان ہے اس میں ایک مفعول پر اقتصار نہیں ہوتا۔ عرب نفس کے لفظ کو گرا دیتے ہیں۔ اسی جنس سے تو یہ قول کرتا ہے: رأيتني، حسبتني۔

مجاہد، حمید اور حنبل نے ابن کثیر سے اَن رَّاٰهُ استغنی کو ہمزہ کے قصر کے ساتھ پڑھا ہے جب کہ باقی قراء نے رآہ کو مد کے ساتھ پڑھا ہے یہی پسندیدہ ہے۔

اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ﴿۸﴾

"یقیناً تجھے اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے"۔

یعنی جس کے مذکور اوصاف ہیں اس کا لوٹنا تیرے رب کی طرف ہے تو ہم اسے بدلہ دیں گے۔ رجعی، مرجع اور رجوع سب مصادر ہیں یوں باب چلایا جاتا ہے رَجَعَ اليه رجوعا، مَرْجعا رُجْعٰى یہ فُعْلٰى کے وزن پر ہے۔

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ﴿۹﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ﴿۱۰﴾

"(اے حبیب!) آپ نے دیکھا اسے جو منع کرتا ہے ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے"۔

الَّذِيْ يَنْهٰى ﴿۹﴾ سے مراد ابو جہل ہے عَبْدًا سے مراد حضرت محمد سلی تیلم کی ذات ہے کیونکہ ابو جہل نے کہا: اگر میں نے (حضرت) محمد (سلی تیلم) کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو میں اس کی گردن روند دوں گا: یہ حضرت ابو ہریرہ کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو اس پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے نازل کیا(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا: کلام میں حذف ہے معنی یہ ہے کیا

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 8831

نماز سے روکنے والا سزا سے امن میں ہے؟

اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰۤى ﴿۱۱﴾ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ﴿۱۲﴾

''بھلا دیکھیے تو اگر وہ ہدایت پر ہوتا یا پرہیز گاری کا حکم دیتا تو (اس کے لیے کتنا بہتر ہوتا)''۔

اے ابو جہل! بتاؤ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس صفت (ہدایت) پر ہوں تو کیا تقویٰ اور نماز سے روکنے والا ہلاک ہونے والا نہ ہوگا۔

اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ﴿۱۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ﴿۱۴﴾

''آپ نے دیکھ لیا اگر اس نے جھٹلایا اور روگردانی کی۔ کیا نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ (اسے) دیکھ رہا ہے''۔

یعنی ابو جہل نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو جھٹلایا اور ایمان سے اعراض کیا۔ فراء نے کہا: معنی ہے جو نماز پڑھتا ہے وہ ہدایت پر ہوتا ہے تقویٰ کا حکم دینے والا ہو جب کہ منع کرنے والا جھٹلانے والا اور ذکر سے اعراض کرنے والا ہو تو یہ کتنا ہی عجیب ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اس پر ہلاکت ہو کیا ابو جہل نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھتا ہے اور اس کے فعل کو جانتا ہے تو یہ تقریر و توبیخ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اَرَءَيْتَ، پہلے کا بدل ہے اور اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى خبر ہے۔

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ۬ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ﴿۱۵﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾

''خبردار! اگر وہ (اپنی روش سے) باز نہ آیا تو ہم ضرور (اسے) گھسیٹیں گے اس کی پیشانی کے بالوں سے وہ پیشانی جو جھوٹی (اور) خطا کار ہے''۔

یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اگر ابو جہل اس سے نہ رکا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑیں گے اور اسے ذلیل و رسوا کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم قیامت کے روز اس کی پیشانی پکڑیں گے، اسے اس کے قدموں کے ساتھ لپیٹ دیا جائے گا اور جہنم میں پھینک دیا جائے گا، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَ الْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ (الرحمن) اسے پیشانی کے بالوں اور قدموں سے پکڑا جائے گا۔ آیت اگر ابو جہل کے حق میں ہو تو یہ لوگوں کے لیے نصیحت ہوگی اور جو طاعت سے خود رکتا ہے اور لوگوں کو روکتا ہے اس کے لیے دھمکی ہے۔ اہل لغت کہتے ہیں: سفعت بالشئی جب تو اس پر قبضہ کر لے اور سختی سے اپنی طرف کھینچے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: سَفَعَ بناصیۃِ فَرَسِہ جب اس نے اپنے گھوڑے کو سختی سے کھینچا۔ شاعر کا شعر ہے:

قومٌ إذا كَثُرَ الصياحُ رأيتهمْ مِنْ بَيْنِ مُلْجِمِ مُهْرِهِ أو سافِعِ

وہ ایسی قوم ہیں جب چیخ و پکار زیادہ ہو جائے تو تو انہیں دیکھے گا ان میں سے کوئی اپنے گھوڑے کو لگام دے رہا ہے اور کوئی اسے سختی کے ساتھ کھینچ رہا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سَفَعَتہ النارُ والشَّمس سے ماخوذ ہے جب سورج کی تمازت اس کے چہرے کو سیاہی مائل کر دے۔

نَاصِيَةٍ سے مراد سر کے اگلے حصے کے بال ہیں۔ بعض اوقات اس سے پوری ذات مراد لی جاتی ہے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: ھذہ ناصیۃ مبارکۃ اس سے مراد پورا انسان ہے۔ یہاں ناصیہ کا خصوصاً ذکر کیا گیا ہے کیونکہ عربوں کی عادت ہے جب

وہ کسی کو ذلیل ورسوا کرنا چاہیں تو اس کے سر کے اگلے بالوں کو پکڑ لیتے۔ مبرد نے کہا: سفع کا معنی سختی کے ساتھ کھینچنا ہے یعنی ہم اسے پیشانی کے بالوں کو پکڑ کر آگ کی طرف گھسیٹ کر لے جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سفع کا معنی مارنا ہے یعنی ہم اس کے منہ پر طمانچہ ماریں گے۔ سب کا معنی قریب قریب ہے، یعنی پکڑنے کے ساتھ اسے مارا جائے گا پھر اسے جہنم کی طرف گھسیٹ کر لے جایا جائے گا پھر بدل کے طور پر نَاصِیَۃٍ کَاذِبَۃٍ خَاطِئَۃٍ فرمایا یعنی ابوجہل کی نَاصِیَۃٍ قول میں جھوٹی اور عمل میں گناہ کرنے والی ہے۔ اور گناہ کرنے والے کو سزا بھی دی جاتی ہے اور اسے پکڑا جاتا ہے جب کہ خطا کرنے والے کا مواخذہ نہیں ہوتا نَاصِیَۃٍ کی صفت کَاذِبَۃٍ خَاطِئَۃٍ سے لگانا اس طرح ہے جس طرح وجوہ کی صفت ناظرۃ سے لگائی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۞ (قیامہ) وہ اپنے رب کو دیکھنے والے ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نَاصِیَۃٍ والا جھوٹا اور گناہ گار ہے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: نھارُہ صائمٌ، لیلُہ قائمٌ یعنی وہ دن کو روزہ رکھنے والا اور رات کو قیام کرنے والا ہے۔

فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۞ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۞

''پس وہ بلا لے اپنے ہم نشینوں کو (اپنی مدد کے لیے) ہم بھی جہنم کے فرشتوں کو بلائیں گے''۔

یعنی وہ اپنے ہم مجلس اور قبیلہ والوں کو بلا کر ان سے مدد لے ہم بھی سخت مضبوط فرشتوں کو بلالیں گے؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ کسائی نے کہا: اس کا واحد زبنیۃ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اصل میں یہ زبانی تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ اسم جمع ہے جس طرح ابابیل اور عبادید اسم جمع ہے۔ قتادہ نے کہا: کلام عرب میں اس کا معنی سپاہی ہے یہ زبن سے ماخوذ ہے جس کا معنی دھکیلنا ہے۔ اسی سے خرید وفروخت میں ایک قسم مزابنہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں زبانیہ کا نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اپنے پاؤں سے اسی طرح عمل کریں گے جس طرح وہ اپنے ہاتھوں سے عمل کرتے ہیں۔ ابولیث سمرقندی نے یہ حکایت بیان کی ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی اور لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِیَۃِ ۞ تک پہنچے تو ابوجہل نے کہا: میں اپنی قوم کو بلاؤں گا جو تیرے رب سے میرا دفاع کرے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۞ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۞ جس نے اس سے زبانیہ کا ذکر سنا تو ڈر کر واپس لوٹ گیا اسے کہا تھا: تو اس سے ڈر گیا، اس نے کہا: نہیں بلکہ میں نے اس کے پاس شہسوار دیکھا جو زبانیہ کے ساتھ مجھے دھمکا رہا تھا۔ میں نہیں جانتا زبانیہ کیا ہے وہ شہسوار میری طرف جھکا تو مجھے ڈر ہوا کہ وہ مجھے کھا ہی نہ جائے۔ احادیث میں ہے: زبانیہ کے سر آسمان میں اور ان کے پاؤں زمین میں ہوں گے وہ کفار کو جہنم میں دھکیل دیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ از روئے جسامت کے فرشتوں سے بڑے ہوں گے اور از روئے پکڑ کے ان سے زیادہ سخت ہوں گے عرب یہ نام اسے دیا کرتے تھے جو از روئے پکڑ کے شدید ہوتا تھا۔ شاعر نے کہا:

زَبَانِيَةٌ غُلْبٌ عِظَامٌ حُلُومُهَا

وہ موٹی گردنوں والے ہیں عظیم عقل والے ہیں۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ابوجہل نے کہا: اگر میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو میں اس کی گردن روند دوں گا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر وہ ایسا کرتا تو فرشتے اسے

آنکھوں کے سامنے پکڑ لیتے'' (1)۔ ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ابو جہل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا جب کہ آپ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے ابو جہل نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے تجھے ایسا کرنے سے منع نہیں کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سخت رویہ اپنایا۔ ابو جہل نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تو مجھے کس چیز کی دھمکی دیتا ہے اللہ کی قسم میں اس وادی میں سب سے زیادہ حمایتیوں والا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا: فَلْيَدْعُ نَادِيَهُۥ ۝ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ کی قسم! اگر وہ اپنے حمایتیوں کو بلاتا تو عذاب کے داروغے اسے اسی وقت پکڑ لیتے (2)۔ امام ترمذی نے اس کی ہم معنی روایات نقل کی ہیں۔ کہا: یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔ کلام عرب میں نادی اس مجلس کو کہتے ہیں جس میں لوگ اکٹھے ہوتے ہیں یعنی جمع ہوتے ہیں مراد مجلس والے ہیں۔

جس طرح جریر نے کہا: لَهُمْ مَجلِسٌ صُهْبُ السِّبالِ أَذِلَّةٌ یہاں مجلس سے مراد اہل مجلس ہیں۔ زہیر نے کہا: وفیهِمْ مقاماتٌ حِسانٌ وُجُوهُهم۔ اس میں مقامات سے مراد اس جگہ میں کھڑے ہونے والے ہیں۔ ایک اور نے کہا: واستَبَّ بعدَكَ یا كُلَيْبُ المجلِسُ یہاں بھی مجلس سے مراد اہل مجلس ہے۔ اس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے جب تو اس کے پاس بیٹھے: نادیتُ الرجل أناديه۔

زہیر نے کہا: وجارُ البیتِ والرجلُ المنادِي یہاں بھی المنادی سے مراد مجلس میں بیٹھنے والا ہے۔

كَلَّا ۚ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝

''ہاں ہاں اس کی ایک نہ سنیئے (اے حبیب!) سجدہ کیجئے اور (ہم سے اور) قریب ہو جایئے''۔

یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح ابو جہل گمان کرتا ہے ابو جہل تمہیں جو نماز ترک کرنے کے بارے میں کہتا ہے اس میں اس کی اطاعت نہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے نماز پڑھیے اور طاعت وعبادت کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیجئے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ معنی ہے جب تو سجدہ کرے تو ہما کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیجئے۔ عطا نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أقرب ما یكون العبدُ من ربه وأحبه إلیه جبهته فی الأرض ساجدًا لله (3) بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے اور اس کی بارگاہ میں سب سے محبوب ہوتا ہے جب اس کی پیشانی زمین میں ہو جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کر رہا ہو۔

ہمارے علماء نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ کیونکہ سجدہ کی حالت عبودیت اور ذلت کی انتہا ہے اللہ تعالیٰ کے لیے انتہا اور سجے کی عزت ہے اس کے لیے اتنی عزت ہے جس کی کوئی مقدار نہیں۔ اے انسان! جب بھی تو اس کی اس صفت (اپنے آپ کو عزیز سمجھنا) سے دور ہوگا تو اس کی جنت کے قریب ہوگا اور اس کے گھر میں اس کے جوار رحمت کے قریب ہوگا۔ حدیث صحیح میں ہے

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ اقرا، حدیث نمبر 3271، ضیاء القرآن پبلی کیشنز　2۔ ایضاً، حدیث نمبر 3272

3۔ مستدرک للحاکم، جلد 2، صفحہ 690

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جہاں تک رکوع کا تعلق ہے اس میں اپنے رب کی عظمت بیان کرو جہاں تک سجدے کا تعلق ہے تو دعا میں کوشش کرو کیونکہ وہ اس لائق ہے کہ وہ تمہارے حق میں قبول کی جائے"۔ جس نے یہ شعر کہا بہت اچھا کہا:

وإذا تذللتِ الرقاب تواضُعًا منا إليك فعزُّها في ذُلّها

جب ہماری گردنیں تیری بارگاہ میں تواضع کرتے ہوئے جھک جائیں تو ان کی عزت ان کی عاجزی میں ہے۔

زید بن اسلم نے کہا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کیجئے۔ اے ابوجہل! تو آگ کے قریب ہو جا۔

وَ اسْجُدْ یہ سجود سے مشتق ہے۔ یہ احتمال موجود ہے کہ اس سے مراد نماز میں سجدہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سورت میں تلاوت کا سجدہ ہو۔ ابن عربی نے کہا: ظاہر یہ ہے اس سے مراد نماز کا سجدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۙ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ؕ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰۤى ۙ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ؕ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ؕ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ؕ كَلَّا لَىِٕنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ۬ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۙ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۚ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۙ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۙ كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَ اسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ ۝ (1)۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو امام مسلم اور دوسرے ائمہ حدیث سے صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت نہ ہوتا انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝ اور اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ کے ساتھ دو سجدے کیے۔ یہ اس امر پر نص ہے کہ مراد سجدہ تلاوت ہے۔

ابن وہب، حماد بن زید سے وہ عاصم بن بہدلہ سے وہ زر بن حبیش سے وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ لازمی سجدہ تلاوت چار ہیں۔ الم، حم تنزیل من الرحمن الرحیم، النجم اور اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ۔ ابن عربی نے کہا: یہ اگر صحیح ہے تو اس پر سورۃ الحج کا دوسرا سجدہ بھی لازم ہوگا اگرچہ وہ رکوع کے ساتھ ملا ہوا ہے، کیونکہ اس کا معنی یہ ہوگا رکوع کے موقع پر رکوع کرو اور سجدہ کے موقع پر سجدہ کرو۔

ابن نافع اور مطرف نے کہا: امام مالک اس سورت کے اختتام پر خاص طور پر خود سجدہ کیا کرتے تھے۔ ابن وہب اس سجدہ کو بھی لازمی سجدہ خیال کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں: ہم حضرت مالک بن انس کی روایت نقل کر چکے ہیں جو ربیع بن ابی عبدالرحمن سے وہ نافع سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ سے کہا: "اے معاذ! اسے لکھو" حضرت معاذ نے لوح، قلم اور دوات لی تو حضرت معاذ نے اسے لکھا جب وہ كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَ اسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ ۝ پر پہنچے تو لوح نے سجدہ کیا، قلم نے سجدہ کیا اور دوات نے سجدہ کیا وہ کہہ رہے تھے: اے اللہ! اس کے ساتھ ذکر کو بلند کر، اے اللہ! اس کے ساتھ بوجھ اتار دے، اے اللہ! اس کے ذریعے گناہ بخش دے۔ حضرت معاذ نے کہا: میں نے سجدہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو حضور نے بھی سجدہ کیا۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1948